علماء حق کا شیوہ

ارشادات خطیب ملت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہٗ

زیر نظر تقریر دارالعلوم کے جلسۂ دستار بندی کی تیسری نشست میں ۷، ۸ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کی درمیانی شب کو حضرت مولانا احتشام الحق مدظلہٗ نے ارشاد فرمائی۔ اور اپنے مخصوص انداز میں موجودہ حالات کے تقاضوں کی روشنی میں علماء حق کے مقام اور ذمہ داریوں پر تنبیہ فرمائی

(ادارہ)

★

خطبۂ مسنونہ اور سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کے بعد ــــ

جناب صدر ! حضرات علمائے کرام اور معزز حاضرین جلسہ آج پاکستان کی مشہور و معروف دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ اور اس کے سالانہ جلسہ میں ہم اور آپ سب جمع ہیں اور یہ ہمارا اجتماع بڑا مبارک اجتماع ہے۔ جس میں مختلف اطراف اور سمتوں سے فارغ التحصیل علماء بھی جمع ہیں۔ اور اپنے اکابر اور بزرگ بھی نظر آتے ہیں۔ پاکستان میں ایسی دینی درسگاہیں دو چار ہی ہیں۔ کہ جن میں اپنے وہ اکابر اور بزرگ نظر آتے ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کے اندر اپنا وقت اور اپنی خدمات دیں آج وہ بڑی کامیابی کے ساتھ ان دینی درسگاہوں کو چلا رہے ہیں۔ اور بالخصوص میں تو جب بھی اس علاقہ میں آتا ہوں تو میرے دل میں پہلے سے یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ میں ایسے خطے میں جا رہا ہوں جہاں اپنے اکابر سے تعلق رکھنے والی شخصیتیں اور بزرگ کافی تعداد میں نظر آئیں گے۔ اور ان کی زیارت ہوگی۔ چنانچہ ابھی ابھی ایک کافی عرصہ کے بعد حضرت مولانا عزیر گل صاحب کی زیارت ہوئی جو ابھی یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ اور خاکساری اور تواضع کی وجہ سے اصرار کے باوجود کرسی پر تشریف نہیں لائے۔ ان کو دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اس لئے کہ یہ ان اکابر اور بزرگوں میں سے ہیں، جنہوں نے

حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ رفیق کی حیثیت سے وقت گذارا ہے۔ اور ہر شخص ان کے چہرے کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے۔ کہ کسی اللہ والے کے ساتھ ان کو رفاقت نصیب ہوئی ہے۔

بزرگوں کی صحبت کا اثر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے مکے میں حرم کے اندر کسی صاحب کو دیکھا اور بہت دیر تک ان کی طرف دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے سلام کیا تو آپ اٹھ کر وہاں تشریف لے گئے۔ اور فرمایا آپ ہندوستان سے آئے ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں میں ہندوستان سے آیا ہوں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا آپ کیا کسی بزرگ کسی اللہ والے سے بیعت ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں کسی بزرگ سے بیعت تو نہیں۔ لیکن کوئی پندرہ سال کا زمانہ گذرا ہے۔ کہ میری فلاں بزرگ سے ملاقات ہوئی تھی۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا وہ جو پندرہ سال سے قبل صرف ایک مرتبہ ملاقات ہوئی اس کے اثرات اور اس کا نور اب تک آپ کی پیشانی پر چمک رہا ہے ــــ تو جنہوں نے بزرگوں کے ساتھ رفیق کی حیثیت سے وقت گذارا ہے، یقیناً ان کی ہر بات اور ہر ادا سے اور چہرے بشرے میں وہ نور نظر آتا ہے۔ جو اپنے اکابر اور بزرگوں میں تھا ــــ بہر حال مجھے یہاں آنے میں اس بات کی بھی خوشی ہوتی ہے کہ اپنے اکابر سے تعلق رکھنے والے حضرات کی زیارت ہوگی ــ

اس مدرسہ کا سرچشمہ مولانا محمد قاسم اور مولانا گنگوہی ہیں جہاں تک اس مدرسہ کا تعلق ہے جس کے جلسے میں آپ جمع ہیں۔ یہ درا صل تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے جن اللہ والے بزرگوں نے دین کی خدمات کا سلسلہ شروع کیا تھا، اسکی یہ ایک کڑی ہے۔ اور یہ درسگاہ بھی اسی سے وابستہ ہے۔ میری مراد ہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جنہوں نے سب سے پہلے ہندوستان میں دینی مدرسوں کی بنیاد رکھی ــــ ۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب مسلمان مایوس ہوگئے کہ اب ہم شاید انگریز کو نہ نکال سکیں گے۔ اور آخری کوشش وہ ہوئی ہے۔ کہ جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سپہ سالار کی حیثیت سے انگریزوں سے جنگ کرتے ہیں ۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی ساتھ ہیں۔ اور ایک وہ بزرگ بھی ساتھ ہیں جن کا نام آپ نے سنا ہوگا حضرت حافظ ضامن صاحب شہید علیہ الرحمۃ یہ بھی ساتھ تھے۔ اور انگریزوں کا تعاقب کرتے ہوئے کافی دور تک دوسرے قصبے تک پہنچا دیا۔ انگریز وہاں ایک تحصیل کی عمارت میں بند ہوگئے۔ اور انہوں نے غالباً اسکی اطلاع کرائی کہ ان کو اور کوئی کمک پہنچ جائے ــــ حضرت حاجی صاحب نے یہ مشورہ کیا تھا۔ کہ آج اس تحصیل پر حملہ کرکے ان انگریزوں

کو یہاں سے ختم کرنا ہے۔ حضرت حافظ ضامن شہیدؒ فرمانے لگے کہ حضرت انشاء اللہ یہ تحصیل تو صبح تک فتح ہو جائے گی۔ لیکن ہم نہیں رہیں گے۔ سب سے پہلے جو حملہ کیا ہے تو گولی لگی حضرت حافظ صاحب کو، اور وہ وہیں گر گئے اور شہید ہوئے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں میں نے مولانا تھانویؒ سے سنا ہے۔ کہ کوئی شخص ان کی قبر پہ فاتحہ پڑھنے گیا تو آواز آئی کہ جا کسی مردے کی قبر پہ فاتحہ پڑھ ——

دین کی حفاظت کیلئے ہمارے اکابر کے مساعی | حضرت مولانا نانوتویؒ اور ان حضرات نے یہ طے کیا کہ اب اس ملک میں مسلمان غلام کی حیثیت میں زندگی گذاریں گے۔ فاتح قوم کی طرف سے جو جو طریقے اختیار کئے جائیں گے۔ اس میں اندیشہ ہے کہ مسلمان اپنے دین اپنے عقائد اور اپنی روایات کی حفاظت نہیں کر سکیں گے، لہذا یہ طے کیا کہ ایک ایسی درسگاہ بنائی جائے جس میں ایسے افراد پیدا ہوں جو پیٹ سے پتھر باندھیں۔ لیکن یہ کہ مسلمانوں کے عقائد، افکار ان کے مستقبل انکی دین کی حفاظت کریں۔ یہ علماء کی کوششیں اور تقریباً ڈیڑھ صدی کی تاریخ بتلا رہی ہے۔ کہ ان لوگوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں اور آج تک ہند و پاکستان کے مسلمانوں کی جسطرح انہوں نے دین کی حفاظت کی اس سے اندازہ لگتا ہے کہ سارے ممالک اسلامی میں پھر جائیے آپ کو اتنا دین نہیں ملے گا جتنا ہند و پاکستان کے مسلمانوں میں نظر آ رہا ہے۔ یہ انہی علماء کی بدولت ہے جنہوں نے بوریوں اور چٹائیوں پہ بیٹھ کر علم دین کی حفاظت کی ہے۔

—— تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ دار العلوم حقانیہ اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب براہ راست اسی درسگاہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ درسگاہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ مولانا نے اس علاقہ کے اندر علم دین کی اشاعت میں بہت نمایاں کام انجام دیا ہے اور الحمدللہ اطراف و اکناف کے لوگ یہاں علم دین حاصل کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے حق تعالیٰ نے حضرت مولانا کے ہاتھوں سے ایک چھوٹا سا دیوبند یا اس کے نمونے پہ ایک ادارہ قائم کیا۔ حق تعالیٰ اور زیادہ ترقی عطا فرما دیں۔ اور اس سے زیادہ خدمت کی توفیق اللہ تعالیٰ عطا فرما دیں۔ جس وقت مجھ سے کہا گیا کہ میں بھی جلسہ میں کچھ عرض کروں تو میں نے یہ بات پیش کی تھی کہ دراصل حضرات علماء کافی تعداد میں تشریف رکھتے ہیں ان کے بیانات ہوں گے۔ اسکی ضرورت نہیں ہے کہ میں کوئی لمبی چوڑی تقریر کروں صرف شامل ہونے کے لئے برکت کے خیال سے جی چاہتا ہے کہ تھوڑی دیر آپ کی خدمت میں کچھ عرض کروں زیادہ وقت نہیں لیتا۔

وقت زیادہ ہو گیا ہے۔ دوسرے میرے بعد بھی حضرات آپ کو خطاب فرماویں گے۔ تیسرے یہ کہ میرے گلے میں تین چار روز سے تکلیف ہے۔ اسی وجہ سے میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لے سکوں گا۔ اور میرا یہ خیال تھا کہ میں ایک مختصر سا ارشاد سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کر کے اس کا ترجمہ کروں گا۔ لیکن ایک صاحب کا پرچہ آیا جسمیں فرمائش تھی کہ قرآن شریف کی کچھ آیتیں تلاوت کردوں اس لئے میں نے سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کی۔

دو باتیں | میں اصل میں مختصر طریقے پر صرف دو باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ ایک تو ان نوجوان صالح علماء سے تعلق رکھتی ہے جو آپ کے دارالعلوم سے فارغ ہو چکے ہیں، اور اب ان پر دین کی بھاری ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر دین کی خدمات انجام دیں گے جنمیں سے بہت سوں کی دستار بندی آج بھی غالباً ہو چکی یا کل بھی ہو گی یا اس جلسے کے کسی وقت میں ان کی دستار بندی ہو گی ــــ

علم اور دستار فضیلت کے تقاضے | دستار بندی ایک قسم کا شرف ہے، اعزاز ہے، اور یقیناً اس سے آپ کا دل بڑا خوش ہو گا۔ جس کے سر پر دستار فضیلت بندھتی ہے، اس کے دل سے پوچھئے۔ اور ہونا بھی چاہئے۔ کہ اللہ جب کسی نعمت کی توفیق دے تو قدرتی طور پر اس سے خوشی ہوتی ہے۔ یہ کیا کم انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دین کے حصول اور پھر اسکی تکمیل کی توفیق دی۔ یہ کوئی کم انعام نہیں، بڑی نعمت ہے۔ بہت سے لوگ اس زمانہ میں ایسے بھی ہیں جو آپ کی اس مصروفیت اور تعلیم کو اعتراض کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنا وقت ضائع کر دیا۔ اور مختلف طریقوں سے آپ کو چھیڑتے ہیں ــــ کسی کالج کے طالب العلم نے کسی عربی مدرسے کے مولانا صاحب سے پوچھا تھا کہ مولانا صاحب ذرا یہ تو بتائیے کہ آسمان پر ستارے کتنے ہیں؟ مولانا صاحب نے کہا بھئی مجھ کو یہ نہیں بتایا گیا ہے۔ کہ آسمان میں ستارے کتنے ہیں۔ میں نے آپ کے سامنے جو بات صحیح صحیح تھی کہدی۔ وہ کہنے لگے صاحب آپ قوم کی رہنمائی کس طرح کریں گے، ابھی تک آپ کو یہ بھی پتہ نہیں کہ آسمان میں ستارے کتنے ہیں۔ اور وہ جتنا الزام دے سکتے تھے دیا۔ لیکن علم دین پڑھنے کے بعد اگر انسان جھوٹ بولنے میں جری نہیں تو کم سے کم ذہین تو ضرور ہو جاتا ہے۔ اس نے فوراً یہ بات کہی کہ مہربانی کر کے ذرا آپ بھی بتلائیے کہ سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں؟ وہ کہنے لگے: مجھ کو تو میرے پروفیسر صاحب نے یہ نہیں بتایا۔ تو انہوں نے فوراً کہا صاحب ابھی تو فرش کا علم پورا نہیں ہوا، تو عرش کی باتیں آپ کہاں سے کرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے اپنا وقت صحیح مصرف میں نہیں لگایا

لیکن اس کے باوجود آپ کے والدین اور آپ کو اللہ نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ آپ نے اپنی زندگیوں کو دین کے لئے وقف کیا، حقیقت میں یہ اللہ کا انعام ہے اور پھر تکمیل کی توفیق عطا فرمائی ——— پھر ایسے اللہ والوں اور بزرگوں کے ہاتھوں سے تو اللہ انکی لاج رکھے گا، اور اس لاج کی وجہ سے، اس دستار فضیلت کی وجہ سے آپکی اور دین کی عزت قائم کرے گا، اس میں خوشی ہوتی ہے۔ اس سے آپ کا دل مسرور ہے، لیکن بہت سی مسرتیں ایسی بھی ہیں، کہ وہ سطحی ہوتی ہیں، جب انسان اسکی حقیقت پر غور کرتا ہے تو وہ ایک گہری فکر میں چلا جاتا ہے۔ آپ نے بارہا دیکھا ہوگا، محلوں میں شادی ہوتی ہے، ایک نوجوان کو ہار پہنا کر اچھے کپڑے پہنا کر اور بعض لوگ افتخار کیلئے ایسا بھی کرتے ہیں کہ گھوڑے پر بٹھا کر اسکی برات لے جاتے ہیں۔ اس وقت آپ اس دولہے کے دل کو ٹٹولیں تو وہ اندر سے بڑا خوش ہوتا ہے۔ کہ میں آج نوشہ بنا ہوا ہوں۔ لیکن اس بیچارے نے یہ کبھی غور نہیں کیا، کہ میرے یہ سارے عزیز رشتہ دار اچھے کپڑے پہنا کر یہ کون سا پہاڑ ذمہ داری کا میرے سر پر ڈال رہے ہیں۔ اور اگر اسکو یہ معلوم ہو جائے کہ نکاح کے بعد میرے اوپر کتنا بوجھ اور پہاڑ میرے اوپر ڈال دیا جائے گا۔ تو میرا خیال ہے وہ برات والوں سے چھپ کر گھوڑے سے بھاگ جائے کہ میں نہیں جاتا ———

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو اللہ تعالیٰ نے ظرافت بھی عطا فرمائی تھی اور حکمت بھی۔ حضرت مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں باتیں کم جمع ہوتی ہیں۔ عام طور پر جنکی طبیعت میں حکمت غالب ہو ظرافت نہیں ہوتی اور جن کی طبیعت میں ظرافت غالب ہو حکمت سے زیادہ واسطہ نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے اندر دونوں صفتیں جمع تھیں۔ کسی بدو نے ان سے سوال کیا۔ کہ یا امیر المؤمنین ماذا النکاح۔ نکاح کیا ہے۔؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ سرور شہر ایک مہینہ مسرتوں کا ہے، خوشیوں کا مہینہ ہے ——— مطلب یہ ہے کہ اس تقریب کا آغاز فرحتوں سے ہوتا ہے۔ بدو نے سوال کیا یا امیر المؤمنین ثم ماذا۔؟ اس کے بعد کیا۔؟ حضرت علیؓ نے اس کا قافیہ ملاتے ہوئے ظرافت کے ساتھ فرمایا نکاح کی دوسری منزل کا نام ہے۔ لزوم مہر۔ عرب میں طریقہ یہ ہے کہ اب اس کے بعد مطالبہ کیا جاتا ہے کہ لائیے مہر ادا کیجئے۔ نوشہ کو پہلی مرتبہ یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ ہم نے تو خوشی خوشی قاضی کی مجلس میں قبول کیا تھا، یہ پتہ تو نہیں تھا کہ جیب سے رقم بھی نکالنی ہوگی۔ اس بدو نے پھر سوال کیا یا امیر المؤمنین ثم ماذا۔ اس کے بعد کونسی منزل آتی ہے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا اور پھر قافیہ برقرار رکھا کہ تیسری منزل کا نام ہے غموم دھر۔ فرمایا اب اس کے بچے

ہو جاتے ہیں، کہیں دوائیں کہیں کپڑے، سارے زمانے کا غم اس پر آپڑتا ہے۔ فرمایا مسرت سے جس تقریب کی ابتدا ہوئی تھی اسکی تیسری منزل اب آگئی۔ اس بدو نے سوال کیا یا امیرالمؤمنین ثم ماذا؟ تو حضرت علیؓ جھک گئے اس لئے کہ جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ تو اسکی کمر جھک جاتی ہے۔ کسی کتاب میں میں نے واقعہ پڑھا تھا کہ کوئی ستر اسی سال کے بڑے جن کی کمر جھک گئی تھی، ان سے بچوں نے شرارت سے پوچھا کہ بڑے میاں یہ کمان کتنے کی خریدی ہے؟ تو اس بیچارے نے بڑی سادگی سے کہا کہ جب میری عمر کو پہنچ جاؤ گے تو مفت میں ہی مل جائے گی۔

حضرت علیؓ نے جھک کر فرمایا آخری منزل کا نام ہے کسورظہر کہ کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ قاضی کی مجلس میں جاتے وقت آپ نے کیا یہ سوچا تھا کہ ذمہ داریاں پوری کرتے کرتے کمر جھک جائے گی۔ لیکن وہ ایک مرتبہ آپ نے کہہ دیا تھا کہ قبول کیا تو لفظ کتنا مختصر ہے۔؟ مگر ذمہ داری ساری زندگی کی ہے۔

دہلی میں ایک صاحب کی شادی ہوئی لڑکی ذرا کچھ پڑھی لکھی تھی، اگلے دن لڑکی نے ایک فہرست تیار کر کے شوہر کے پاس بھیج دی۔ کہ اتنے برتن، اتنا فرنیچر، اتنا لباس اور اتنے سامان کی یہ چیزیں آئیں گی۔ شوہر صاحب پریشان ہو گئے۔ اور کہا کہ خدا کی قسم میں نے تو تجھے قبول کیا تھا فہرست نہیں قبول کی تھی اور اگر یقین نہ ہو تو چل میں قاضی سے پوچھواؤں۔ اس نے کہا کہ یہ جو آپ نے لفظ قبول کیا۔ اسکی وجہ سے یہ سب چیزیں آپ کے ذمہ ہو گئیں یہ تو ابھی پہلی قسط ہے۔ ابھی تو کتنی اور فہرستیں آئیں گی تو میں یہ بات عرض کر رہا تھا کہ عنوان کتنا مختصر ہے، ذمہ داریاں بہت ہیں یہ نہ سمجھے کہ یہ جو لفظ قبول جتنا مختصر ہے اتنی ہی مختصر ذمہ داری بھی ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ کے ہاں ایک صاحب تشریف لائے۔ اور انہوں نے آکر کچھ اپنی پریشانیاں بیان کیں۔ مولانا نے فرمایا کہ بھئی تم چالیس دن تک یٰسین پڑھ لیا کرو، گیارہ مرتبہ ۔۔۔ چالیس دن کے بعد وہ صاحب تشریف لائے۔ اور کہا کہ صاحب چالیس دن ہو گئے۔ آپ کی ہدایت کے مطابق پڑھتا رہا۔ لیکن کوئی حالات میں فرق نہیں آیا۔ حضرت کو فراست سے اندازہ ہوا کہ غالباً اس نے صحیح طریقے پر نہیں پڑھا، تو دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں اس طرح پڑھتا تھا یٰسین، یٰسین، یٰسین گیارہ مرتبہ ۔۔۔ حضرت نے سن کر فرمایا: اللہ کے بندے یہ لفظ یٰسین مختصر سا عنوان ہے۔ اس کا مطلب ہے پوری سورۃ کی تلاوت ۔۔۔ اسی طریقے سے ہم جو اسلام کا کلمہ پڑھ کر کہتے ہیں۔ کہ اے اللہ ہم نے تیری اطاعت اور بندگی کو قبول کیا لفظ کتنا مختصر ہے

لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے یہ کلمہ کہہ کر اپنی پوری زندگی خدا کی مرضیات کے مطابق ڈھالنے کا عہد کر لیا ہے۔

یہ علماء جنکی دستار بندی ہوئی ہے۔ ان کے اوپر کس قسم کی ذمہ داریاں ڈالی گئیں، حدیث میں آتا ہے: العلماء اُمناءُ الدین مالم یخالطوا الامراء فاذا خالطوا الامراء فہم لصوصُ الدین فاحذروھم۔ (اوکما قال)۔ اس سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ علماء پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ عام مسلمانوں کو علماء کے ساتھ قدردانی اور تکریم کس قسم کا برتاؤ چاہئے۔ یہ بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ ہمارا تعلق خلق خدا سے کس نوعیت کا ہو۔ اس لئے کہ بعض اوقات ہماری درشتی اور خشونت کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ سے فیض نہیں حاصل کر سکتے۔ کسی نے صحیح کہا ہے کہ ؎

کوئی کارواں سے چھوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی

کچھ ذمہ داریاں ہماری بھی ہیں، لیکن کچھ عام مسلمانوں کی بھی ہیں۔ کہ ان کو قوم کے رہنماؤں اور علماء کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ چاہئے ــــــ لیکن پہلے آپ کو یہ بتاؤں علماء کسے کہتے ہیں۔ یہ چیز کوئی پڑھانے کی نہیں ــــ عالم کی جمع علماء ہے۔ علم والوں کو عالم کہتے ہیں۔

فتنۂ الفاظ کا زمانہ | یہ زمانہ فتنۂ الفاظ کا زمانہ ہے جو لفظوں کے اصلی معنے تھے انکی بجائے یار لوگوں نے اپنی طرف سے معنی ڈال دئیے۔ مثال کے طور پر مساوات، جیسے کہ ابھی حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی فرما رہے تھے۔ مساوات، معنی اس کے برابری کے ہیں۔ لیکن آج اگر کسی سے پوچھئے کہ صاحب آپکی نظروں میں مساوات کا کیا معنی ہے تو کہیں گے کہ ایک عورت کو بالکل اسی قسم کے کام کرنے کی اجازت دی جائے جو کام مرد انجام دیتے ہیں۔ اگر آپ ملازمتیں کرتے ہیں مگر عورتوں کو آپ ملازمت کی اجازت نہیں دیتے، اگر آپ فوج کی خدمات انجام دیتے ہیں مگر فوج کے اندر عورت کو ملازمت کی آپ نے اجازت نہ دی تو یہ روشن خیال کہیں گے کہ آپ نے مساوات کا خون کر دیا۔ اس لئے میں نے عرض کیا مساوات کا معنی اسلام میں کیا ہے۔؟ مساوات کا معنی ہے حقوق میں برابری، عمل میں برابری۔

مرد اور عورت کے حقوق میں مساوات | حقوق تین قسم کے ہیں۔ جان کا، مال کا، عزت کا۔ کیا شریعت اسلامیہ نے یا مسلمانوں نے کبھی عورت اور مرد کی جان میں فرق کیا۔؟ عورت کی جان اتنی ہی قیمتی ہے، اسلام کے اندر۔ جتنی کہ مرد کی ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ اور مال

عورت کی ملکیت اور مرد کی الگ ہے۔ شادی ہو جانے کی وجہ سے بھی اسکی ملکیت ختم نہیں ہوتی۔ عزت اور آبرو میں میرا یہ خیال ہے کہ شاید عورت کو حق زیادہ ملا ہوا ہے شریعت کے اندر اس لئے کہ اسکی عزت جو ہے وہ نگینے کی چمک دمک اور آب و تاب کی طرح ہے۔ اس میں اگر فرق آجائے تو اس کا بہت نقصان ہوتا ہے۔ تو آپ مجھے بتائیے کہ ان تینوں میں جب شریعت نے برابری رکھی تو اس کا نام ہے مساوات ۔ لیکن یہ آپ کو کس نے بتا دیا کہ ذمہ داری اور عمل کے اندر برابری کا درجہ دیں ۔ اور اگر اسی کا نام مساوات ہے تو کل کوئی خاتون کہے گی ۔ کہ تین ماہ میں بچہ حمل میں اٹھائے پھری اب تین ماہ تمہیں اٹھانا ہو گا۔ مرد کہیں گے کہ تین ماہ ہم نے نماز پڑھائی اب عورتوں کو اتنا عرصہ نماز پڑھانی چاہئے ۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ درحقیقت خدمات میں اور عمل کے اندر کبھی مساوات نہیں ہوتی تقسیم کار ہوا کرتی ہے۔ حقوق ہوتے ہیں ایسے طریقے سے عدالت اور انصاف کا لفظ ہے۔ آج دنیا سے پوچھئے کہ تمہاری نظر میں عدل و انصاف کے کیا معنی ہیں وہ آپ کو کچھ اور بتائے گی۔ لیکن شریعت اسلامیہ سے پوچھئے وہ صحیح معنی آپ کو بتائے گی کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ آپ کی نظر میں عدل اور انصاف کے معنی یہ ہیں کہ جیسا قانون موجود ہے۔ اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کا نام انصاف ہے۔ اور بعض اوقات وہ بھی نہیں۔ ایک تنقید نگار جج بھتے کیانی صاحب میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ کسی شخص نے ان سے کہا انکی عدالت میں کہ صاحب میں تو یہاں انصاف کی امید لیکر آیا تھا کہ یہ عدالت ہے۔ لیکن میرے ساتھ تو ظلم ہو رہا ہے۔ اس نے کہا آپ غلط سمجھے یہ کچہری ہے۔ یعنی انصاف کی توقع تو عدالت سے کرنی چاہئے، کچہری سے نہیں۔ انصاف ہو یا ظلم ہو کچھ ہو۔ یہاں تو کاغذات جو موجود ہیں فیصلہ ان کے مطابق ہی ہو گا۔ لیکن شریعت کہتی ہے۔ کہ یہ انصاف اس لئے نہیں کہ اگر وہ قانون ظالمانہ ہے۔ تو اس کے مطابق فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ؟

وہ فیصلہ بھی ظالمانہ ہو گا ——— لہذا عدل کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ جس قانون کے مطابق فیصلہ دیا جا رہا ہے وہ منصفانہ ہو اور قانون منصفانہ نہیں ہو سکتا۔ جبتک کہ وہ قانون، اللہ کے حکم کے مطابق نہ ہو۔ اگر خدا کے حکم اور قانون کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے۔ تو وہ انصاف ہے، لیکن دنیا نے ظالمانہ قانون کے مطابق فیصلہ کا نام بھی انصاف رکھ دیا۔ میں نے کہا یہ فتنۂ الفاظ کا زمانہ ہے۔

علم اور فن میں فرق اسی طریقے سے علم کسے کہتے ہیں ؟ اس زمانہ میں لوگوں نے جس کا نام علم رکھا ہے ——— فن اور چیز ہے، علم اور چیز ہے۔ اگر دستکاری سکھانے کیلئے ڈاکٹری یا انجینرنگ

پڑھانے کیلئے اگر کوئی درسگاہ قائم ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ آیتیں وہی پڑھی جاتی ہیں جن میں اللہ نے علم کی ترغیب دی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہماری مادر علمی ہے۔ یہ ہماری علمی درسگاہ ہے۔ حالانکہ معاف کیجئے اگر آپ انجینئر یا مستری بن گئے تو آپ نے فن سیکھا ہے علم نہیں سیکھا۔ آپ ہوائی جہاز ٹیلی فون یا اور قسم کی مشینیں بنانے لگے تو یہ فن ہے اسکو علم نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی شخص اعلیٰ درجہ کا فرنیچر بناتا ہے تو آپ سمجھئے کہ وہ دراصل اعلیٰ درجہ کا مستری اور دستکار ہے۔ لیکن اسکو علم نہیں کہا جاتا، فن کہا جائیگا۔ اور علم اسے کہتے ہیں کہ جسکی معلومات اور ہدایات کے ذریعہ آپ کا دل اور توجہ خدا کی طرف مبذول ہو جو خدا کی معرفت تک آپ کو لے جائے۔ اسکو کہتے ہیں علم۔

اور یہ بھی یاد رکھنے کہ علم معیارِ فضیلت ہے، فن معیارِ فضیلت نہیں۔ اگر آج امام فخرالدین رازی ہوتے تو کیا کوئی ہوائی جہاز اڑانے والا پائلٹ ان سے یہ کہہ سکتا کہ آپ کو تو صرف تفسیر کبیر لکھنا آتی ہے۔ تو یہ کہا جائیگا کہ ہوائی جہاز اڑانا معیارِ فضیلت نہیں علم معیارِ فضیلت ہے۔ امام فخرالدین رازی کے پاس علم ہے، تمہارے پاس فن ہے۔ فرمایا ے

علم چہ بود آنکہ رہ بنماید ت زنگ گمراہی ز دل بزداید ت

جو چیز خدا کی طرف آپ کو متوجہ کرے اسکو کہتے ہیں علم۔ آپ کو خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ نے آپ کو فن نہیں علم دیا ہے۔ فن سے چیزیں بنتی ہیں اور علم سے انسان بنتے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے فلسفی دنیا کی چیزیں بنانے کے طریقے آپ کو بتاتے ہیں۔ انبیاء کرامؑ ولی اللہ عارف بنانے قطب اور غوث بنانے، بڑے بڑے بزرگ بنانے کیلئے آپ کو طریقے بتا رہے ہیں۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ آپ کو خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ نے آپ کو علم عطا فرمایا۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھئے کھانے پینے کا دھندا کھانے کمانے کے بتانے والی چیزیں فن کہلاتی ہیں۔ اور آخرت سنوارنے والی چیزیں علم کہلاتی ہیں۔ ہماری باتیں روشن خیالوں کی نظروں میں "ملاؤں" کی باتیں ہیں۔ لیکن اگر وہ بات کسی جج نے کہی ہو تو آپ کو ماننی چاہیئے۔ اکبر الہ آبادی جو جج بھی ہیں اور انہیں کے زمانے میں ہندوستان کی مختلف درسگاہیں قائم ہوئیں جن میں سے دیوبند کی درسگاہ بھی ہے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی ہے، ندوہ بھی ہے۔ اور اکبر الہ آبادی کی تشخیص جو ہوتی ہے وہ بہت صحیح ہوتی ہے۔ آئیے ان کی زبان سے سنیئے کہ انہوں نے درسگاہوں کو کیا کیا خطابات عطا فرمائے ے

ہے دل روشن مثال دیوبند اور ندوہ ہے زبان ہوشمند
مادرِ علی گڑھ کی بھی تم تشبیہ لو ایک معزز پیٹ بس اسکو کہو

(باقی آئندہ)